چوتھا باب

سندھی رسم الخط کی مختصر تاریخ

ماہرین آثار قدیم کو سندھ کے کھنڈرات سے آٹھ سو کے قریب ایسی مہریں، کتبے اور دیگر اشیاء ملی ہیں جو سندھی زبان کے مختلف رخوں کو نمایاں کرنے میں بڑی مدد دیتی ہیں۔ ان اشیاء میں بڑی تعداد ان سلیٹوں کی ہے، جو پکی مٹی کی بنی ہیں اور ان پر ایک بار لکھنے کے بعد وہ لکھائی مٹا کر دوسری لکھی جا سکتی ہیں۔(۱)

یہ سلیٹیں تدریسی عمل کو آگے بڑھانے کے لیے انتہائی اہمیت کے قابل اور نصابی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لیے ترقی یافتہ عمل کی نشاندہی کرتی ہیں۔ یہ چیزیں یہاں اس لیے قابل ذکر ہیں کہ ان کی موجودگی اس بات کی ضمانت ہے کہ اہل سندھ پانچ ہزار سال پہلے بھی وسیع پیمانے پر لکھنے پڑھنے میں مصروف تھے۔

مسٹر میکائے (ماہر آثار قدیمہ) نے عراق میں قدیم شہر "کش" (Kush) کی کھدائیاں کیں اور وہاں سے اسے وادیٔ سندھ کے رسم الخط ایسی مہریں خاصی تعداد میں ملیں۔(۲)

مسٹر ہنٹر نے عراق کے کھنڈرات سے ملنے والی ان مہروں کا مطالعہ کیا جن پر کوئی عبارت کندہ تھی۔ وہ سندھ کے رسم الخط کا عراق سے ملنے والی اشیاء پر کندہ عبارت سے موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "وادیٔ سندھ کا رسم الخط، عراق سے دستیاب ہونے والے سمیری لوگوں کے رسم الخط

---

(۱) سید، ممتاز حسین شاہ، سندھ مدرسۃ الاسلام، پی ایچ ڈی (قلمی) مقالہ، سندھالوجی ۱۹۷۹ء

(۲) ندوی، رشید اختر، پاکستان کا قدیم رسم الخط اور زبان۔ ایضاً ص ۳۱

سے کافی مشابہت رکھتا ہے۔(۳)(☆)

تاہم ماہرین وادیٔ سندھ کے زیر تذکرہ رسم الخط اور عراق کے سمیری تہذیب کے رسم الخط کی قدامت اور ان کے باہمی تعلقات پر تحقیق کرنے میں مصروف ہیں۔ جب تک اِن دونوں رسم الخطوں کی ابتداء، اصل، تسلسل اور روابط کا پتہ نہیں چلتا تب تک جن بھی نتائج کا ذکر ملتا ہے وہ سب مفروضے ہوں گے۔ لہٰذا سندھ کا تذکرہ بھی اس وقت تک نامکمل چھوڑنا پڑتا ہے، جب تک ماہرین و محققین کی طرف سے کوئی حتمی فیصلہ سامنے نہیں آتا۔ پھر اس بات کا فیصلہ اور تحقیق بھی اب ہونا باقی ہے کہ وادیٔ سندھ کی تہذیب اور سمیری تہذیب میں سے کون سی زیادہ قدیم ہے اور ماضی مین ان کے آپس کے اثرات اور تعلقات کی نوعیت کیا رہی۔

البتہ سندھ کے قدیم شہر بھمبھور (Bhambhore) کے جو قدیم آثار ملے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ماضی بعید میں سندھ کا یہ ساحلی شہر کافی پر رونق، خوبصورت، وسیع و عریض اور اسلام کی یہاں آمد سے صدیوں پہلے کاروباری، تجارتی اور باوقار شہر تھا۔ یہاں زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق اشیاء کی بڑے پیمانے پر خرید و فروخت ہوتی تھی۔

یہاں کے کھنڈرات سے حاصل ہونے والی مختلف اشیاء میں سے پنساری کی ایک دکان کا بھی پتہ چلا ہے جہاں مختلف اشیاء کو پکی مٹی کے برتنوں میں رکھا جاتا تھا۔ ان کھدائیوں سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ان برتنوں پر اشیاء کے سندھی نام، مقامی طور پر بننے والی ان مٹ سیاہی سے لکھے جاتے تھے۔

---

(۳) بحوالہ، پاکستان کا قدیم رسم الخط اور زبان، ایضاً ص ۳۵

(☆) ماہرین نسلیات کی رو سے عراق کی مذکورہ سمیری قوم حضرت نوحؑ کے بیٹے "یوناطن" کی اولاد تھی۔ حضرت نوحؑ کے دوسرے بیٹے کا نام "حضرت سام" تھا جن کی نسبت سے ملک شام موجود ہے۔ ان کی اولاد نے آگے چل کر حبشہ اور پھر یمن کو وطن بنایا۔

ایسے ہی برتن کے چند ٹکڑے دستیاب ہوئے ہیں جنھیں ایک دوسرے سے جوڑ کر پڑھنے سے ایک لفظ ''بجر ہریڑ'' بنتا ہے۔ اسے عربی میں ''ہلیلہ'' کہا جاتا ہے۔ اس چیز کا نام آج بھی سندھ اور پنجاب میں ''ہریڑ'' ہے۔ ''ہریڑین'' چونکہ تین قسموں کی ہیں اس لیے اس برتن پر بجر ہریڑ لکھا گیا تاکہ نمایاں معلوم ہو۔

مذکورہ عبارت کے بارے میں ماہرین کو معلوم ہوا ہے کہ ''یہ، لوہانکار سم الخط ہے۔''(۴) یہ اہل سندھ کا اپنا، اصلی اور مقامی رسم الخط ہے۔ برتن کے ایک ٹکڑے پر موجود یہ مختصر سی تحریر محض پنسار کی ایک چیز کا نام ہی نہیں ظاہر کرتی، بلکہ ایک مکمل فقرہ ہے جس سے درج ذیل مصدقہ نتائج حاصل ہوتے ہیں :

1. اہل سندھ کے پاس قبل از اسلام بھی اپنا رسم الخط تھا۔
2. یہاں کے لوگ اس رسم الخط کو کاروبار، لین دین، تجارت اور روزمرہ زندگی کے تمام شعبوں میں استعمال کرتے تھے۔
3. مذکورہ عبارت سے یہ بھی اظہار ہوتا ہے کہ تیرہ سو سال سے زائد عرصہ پہلے جو سندھی بولی اور لکھی جاتی تھی اس میں آج کی سندھی کی طرح گرائمری اصولوں کے مطابق پہلے صفت اور بعد میں اسم استعمال کیا جاتا تھا۔
4. اس وقت بھی یہی گرائمری اصول کار فرما تھے کہ اگر کوئی اسم مؤنث واحد کو ظاہر کرتا ہے اور اس کے ساتھ صفت شامل کرنا ہے تو وہ بھی واحد مؤنث کے صیغے میں ہی استعمال ہو گی۔
5. مذکورہ فقرے سے مزید یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ان دنوں بھی جملوں اور فقروں کی ترتیب

(۴) الانا، ڈاکٹر غلام علی، (مقالہ)، اسلام جی آمد کھال اگ سندھی زبان جی حیثیت، ماہوار ''نئین زندگی'' (سندھی) کراچی ستمبر ۱۹۶۸ء

خواہ گرائمری ترکیب وہی تھی جو آج ہے۔

6. سندھی زبان میں موسیقیت اس وقت بھی تھی اور ان ایام میں بھی اُکی طرح، ہر لفظ آخر میں کسی نہ کسی حرف علت (Wovle) پر ختم ہوتا تھا۔

7. اگر کوئی اسم آخر میں "زیر" یا "زبر" پر ختم ہوتا تھا تو وہ واحد مؤنث کو ظاہر کرتا تھا اور یہ تراکیب آج کی سندھی میں بھی موجود ہیں۔

مؤرخ یعقوبی کے مطابق محمد بن قاسم نے ۹۲ھ میں سندھ اور سن ۹۵ھ تک اس نے ملتان تک سندھ کا پورا علاقہ فتح کرلیا تھا۔ لیکن اس سے پہلے جب محمد بن قاسم ملتان کے لیے روانہ ہونے کی تیاری کررہا تھا تو دیبل میں اس کے پاس ڈیڑھ لاکھ سے زائد فوجی تھے۔ جن میں سے پچاس ہزار سوار اور باقی پیادہ تھے۔ (۵) ان سپاہیوں میں مبلغ دین، علماء، فقہا اور مدرّس بھی تھے۔ یہاں اس بحث میں الجھنا مقصود نہیں کہ محمد بن قاسم کے ساتھ کتنی سپاہ تھی کس قسم کے ہتھیار تھے اور اس سپاہ کو کتنے اور کون سے شعبوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔

جس طرح ان عرب سیاحوں اور مؤرخین کے بہت سارے بیانوں کو تاریخ نے تسلیم کیا ہے۔ اسی طرح اسلام سے پہلے سندھی زبان، سندھی تصانیف اور سندھی رسم الخط کے متعلق حوالوں کو بھی حقائق سمجھ کر ماننا پڑے گا۔

مسعودی اپنی مشہور کتاب مروج الذہب کے صفحات ۱۶۷ تا ۱۷۰ پر رقم طراز ہے کہ.....

لغت سند، خلاف لغت الھند وخلاف لغت المانکیر وھی دار مملکۃ، لبھلرائے کیرتیہ۔

(سندھ کی زبان ہندی زبان سے مختلف ہے اور یہ مانکیر کی زبان سے بھی مختلف ہے جو بہل رائے کا دار الخلافہ ہے۔ جہاں کی زبان کیرتیہ ہے)

---

(۵) یعقوبی، جزاول، مطبوعہ لیدن ص ۳۴۶ بحوالہ ندوی رشید اختر ایضاً ص ۲۸۵۔

سندھ اور ہند کی زبانوں کے بارے میں مسعودی پہلے عرب مؤرخ ہیں جنھوں نے اتنے واضح طور پر دونوں زبانوں کا موازنہ پیش کیا ہے۔ہاں البتہ بعد میں ان زبانوں کے تذکرے کچھ اور سیاحوں اور مؤرخوں نے بھی کیے ہیں۔ان عرب مؤرخین اور سیاحوں کی سندھ میں آمد کو ترتیب دیا جائے تو مسعود کے بعد سندھ میں ابن حوقل آئے۔انھوں نے بھی یہ لکھا ہے کہ ”لسان اھل منصورۃ والملتان ونواحی ھا العربیہ والسندیہ ،واھل مکران، الفارسیہ والمکریہ“ (منصورہ، ملتان اوآاراس کے گرد نواح کی زبان عربی اور سندھی ہے۔ جبکہ اہل مکران مکرانی اور فارسی بولتے ہیں)۔

ابن حوقل کے بعد سندھ میں اصطخری آئے لیکن انھوں نے سندھ کی زبان کے بارے میں محض ابن حوقل کے بیان کی تصدیق کرنے پر اکتفا کیا۔ تاہم المطوفی نے ”اخبار الحکماء“ میں تسلیم کیا ہے کہ جب وہ سندھ آئے تو سندھ علم و حکمت کا سر چشمہ نظر آیا۔

چند دیگر مسلم صاحب سیف و قلم کی یادداشتوں کے مطابق بھی عربوں کی سندھ میں آمد سے قبل تقریباً ۸۰ ہزار سے ایک لاکھ تک بے بہا تصانیف موجود تھیں۔(٦)

مذکورہ حوالے اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ سن ۷۱۲ء میں عربوں کی آمد سے صدیاں پہلے، سندھ میں جو خط رائج تھا وہ اس قدر پختہ سطح کا تھا کہ اس میں اہل سندھ نے ہر شعبہ زندگی سے وابستہ تصانیف تیار کی تھیں۔اس سے یہ بھی حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ جنوب ایشیاء میں اور کوئی زبان اس پایہ کی نہ تھی، جس کی حیثیت سندھی سے اعلیٰ ہوتی ورنہ یہ سیاح اور مؤرخ ان کے تذکرے بھی لکھتے۔(۷)

بزرگ بن شہریار کو سندھ میں سفر کرتے وقت سیوہن، دیبل، اروڑ (روہڑی، سندھ) اور

---

(٦) ماھی مہران (سندھی) جلد ۴، ص ۲۱۵۔ سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد سندھ ۱۹۷۳ء

(۷) ابڑو، غلام حیدر، پی-ایچ-ڈی مقالہ (قلمی)، سندھالوجی، ایضاً ص ۲۶۸۔

بکھر (سندھ) میں اس قدر اعلیٰ حیثیت کے اقامتی مدرسے دیکھنے کا موقع ملا کہ جنھیں پوری اسلامی دنیا میں شہرت حاصل تھی اور وہاں مصری طلباء حصول علم کے لیے ٹھہرے ہوئے تھے۔(۸) سندھ کے عالم مخدوم محمد جعفر کو بھی سند کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے جنھیں تصنیف کے ذریعے دین کو سمجھنے اور فقہی مسائل کو سمجھانے میں بڑی مہارت تھی۔ وہ عربی کے علاوہ سندھی میں بھی لکھتے تھے۔ اس ضمن میں نویں صدی کے اس عالم کے اشعار کی طلاق اور فقہی مسائل پر سندھی تحریر بڑی مشہور ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نہ صرف یہ ایک بلکہ اور بھی عالم ہوں گے جو سندھی میں لکھتے ہوں گے۔

ان بیانات کے حوالوں کے پیش نظر لمحے بھر کے لیے بھی سوچا جائے تو معلوم ہوگا کہ :

1. مدرسوں میں جب مقامی آبادی کو ان کی زبان میں لکھی کتابوں کے ذریعے علم تفسیر، تشریح، فقہ اور حدیث پڑھائی جارہی تھی تو یقیناً رسم الخط رائج تھا۔

2. اتنی بڑی تعداد میں تصانیف کی موجودگی کا اقرار دوسرے لفظوں میں یہاں کے رسم الخط کی موجودگی کو تسلیم کرنے کے مترادف ہے۔

3. نیز عقل یہ بھی تسلیم نہیں کرتی کہ رسم الخط کی عدم موجودگی میں سندھ کس طرح علم و حکمت کا سرچشمہ بن سکتا تھا۔

تاہم تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب دور حکومت میں حاکم و محکوم، آقا و غلام کا احساس کم کرنے کے لیے پالیسی اختیار کی گئی تھی، اس میں اس بات کا بھی بڑا خیال رکھا گیا تھا کہ عرب کی طرف سے کسی ایسے برتاؤ کی بو نہ آئے، جس کی وجہ سے سندھی زبان کے ساتھ امتیازی سلوک کا احساس ابھرے۔

---

(۸) شیدائی رحم داد خان مولائی، تمدن سندھ، ایضاً ۱۹۵۹ء ص ۲۱۲ نیز ملاحظہ فرمائیں، بزرگ بن شہریار، عجائب الہند، اعظم گڑھ ۱۹۶۰ء ص ۱۹۳۔

چنانچہ ایک طرف سماجی سطحوں پر عربوں اور سندھ کے لوگوں کے مسلسل میل جول جاری رکھنے کے طریقے وضع کیے گئے تو دوسری طرف عرب علماء کی سندھی دانی میں سہولت پیدا کرنے کی غرض سے سندھی کو عربی میں لکھنے کی بنیاد بھی ڈال دی گئی۔ اس کوشش کے نتیجے میں سندھی پہلی مرتبہ عربی الف ب کے ذریعے لکھی گئی۔(۹)

انھی ایام میں ہونے والی کوششوں کے باعث سندھی علماء نے عربی علوم میں شہرت کمائی جبکہ عربی علماء نے سندھی اور ہندی زبانوں میں مہارت حاصل کی۔(۱۰)

یہ طرفین کی باہمی کوششوں کا ہی نتیجہ تھا کہ ''سرزمین سندھ پر عربی پڑھنے اور پڑھانے کے لیے علمی مراکز قائم ہوئے بلکہ ان دانش گاہوں میں سندھی اور عربی کے علاوہ اس خطے میں رائج اہم زبانیں پڑھنے اور پڑھانے کا بھی معقول بندوبست تھا۔(۱۱)

ایسی ہی کامیاب کوششوں کو دیکھ کر البیرونی نے سندھ میں دوران سفر لوگوں سے سندھی میں سیاروں کے اور سمتوں کے نام سنے، ناپ تول، وقت کی پیائش، فاصلے کی پیائش اور زمین کی لمبائی چوڑائی کی پیائش کے متعلق الفاظ و محاورے نوٹ کیے۔ سندھی میں جدولیں اور پہاڑے وغیرہ ہندوسوں کی مدد سے لکھے دیکھے۔ ان سب کو انھوں نے عربی ابجد کے ذریعے لکھنے کی کوشش کی اور جہاں مطمئن نہ ہو او ہاں اسی الف ب میں معمول ردوبدل کر کے ایسے نئے حروف بنائے جنھیں استعمال کر کے سندھی صوتیات کے قریب تر الفاظ لکھے گئے۔

انھوں نے ''بھٹی'' کو سندھی تحریر کی بجائے عربی طرز پر ''بھتی'' بھاٹیا کو بھاتیا، تھانہ

---

(۹) بلوچ، ڈاکٹر نبی بخش، سندھی بولی ئیں ادب جی مختصر تاریخ ایضاً ص ۴۹۔

(۱۰) الانا، ڈاکٹر غلام علی، سندھی صور تخطی، سندھی لنگویج اتھارٹی حیدر آباد سندھ، ۱۹۹۳ء ص ۵۳

(۱۱) بلوچ، ڈاکٹر نبی بخش، سندھی بولی ئیں ادب جی مختصر تاریخ، ایضاً ص ۶۰۔

کو تہانہ، راوڑ کو راوَر، ڈھنڈھ (جھیل) کو دندہ، ڈاھر کو داہر، سندھ کے علاقے سبی کو سیوی، اروڑ کو الر کو الرور، مستونگ کو مستنج، بکھر کو باکھر، لیموں کو لیمونہ، انب کو انج، نارنگی کو نارنج، مانک (نام) کو مانک، بُھلو (نام) کو بھلہ، سمبوسا (سموسہ) کو سموسک، کھچڑی کو کھشستری اور چندن کو صندل لکھا گیا۔ (۱۲)

ابن ندیم نے اپنی کتاب الفہرست میں کئی ایسے سندھی علماء کا ذکر کیا ہے، جنھوں نے عربی علم وادب اور اسلامی علوم میں بڑی شہرت کمائی تھی۔ ان علماء نے یقیناً سندھی املا کے لیے عربی حروف تہجی میں معمولی ردوبدل کے ذریعے آسان سا سندھی رسم الخط تیار کیا ہوگا۔ لیکن کوئی نمایاں پیش رفت نظر نہیں آتی۔ البتہ اس وقت کے سندھی علماء نے سندھی علاقوں، قصبوں اور شہروں کے علاوہ ذاتوں، قبیلوں، لوگوں اور جڑی بوٹیوں کے ناموں کو سندھی تلفظ میں لکھنے کی کوشش میں جو حروف بنائے بعد میں وہی حروف خالص سندھی الفاظ لکھنے کے لیے استعمال ہونے لگے۔ (۱۳)

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ ۱۰۵۰ء میں عربوں کا راج سندھ کے سومرا خاندان کے ہاتھوں ختم ہوا۔ یہی وہ زمانہ تھا، جب سندھ نے فاطمین مصر کے ساتھ اپنے تعلقات بہتر بنائے اور مصر کے دینی مبلغ سندھ میں تشریف لائے۔ اسماعیلی فرقے سے تعلق رکھنے والے بزرگان نے اس عرصے میں سندھ میں آکر تبلیغی مراکز قائم کیے۔ انھوں نے اپنی تبلیغ کو مؤثر اور بقادار بنانے کی خاطر منظور تبلیغی مراکز قائم کیے۔ انھوں نے اپنی تبلیغ کو مؤثر اور بقادار بنانے کی خاطر منظوم تبلیغی انداز اختیار کیا اور اللہ کی توحید کی حامل نظموں کو لکھنا شروع کیا۔ یہ نظمیں "گنان" کہلاتی ہیں۔ گنان کو ضبط تحریر میں لانے کے لیے سندھ کے قدیم "لوھانکا" رسم الخط میں اصلاح لاکر چالیس حروف پر مشتمل الف ب کی پٹی بنائی گئی اور اسی مناسبت سے اسے سندھی لہجے کے مطابق "چالیھ اکھری" کے

(۱۲) الانا، سندھی صور تخطی ایضاً

(۱۳) لغاری، عبدالکریم۔ سندھی الف، ب جی ارتقاء جا مشورو، سندھالوجی ۱۹۷۶ء ص ۳۲۔

نام سے پکارا گیا۔(۱۴)

معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں سندھی زبان، عالمی سطح پر اہل سندھ کی پہچان بن چکی تھی۔ چنانچہ نہ صرف سندھ کی سیر و تفریح کرنے والے عرب سیاح، مؤرخ اور تذکرہ نویسوں نے اپنی اپنی تصانیف میں سندھ، سندھیوں اور سندھی زبان کا تذکرہ کیا بلکہ جنھیں محض کتابوں اور حوالوں کے ذریعے سندھ سے شناسائی تھی، انھوں نے اپنی یادداشتوں اور نوشتوں میں کسی نہ کسی حوالے سے سندھ، سندھی ثقافت، اہل سندھ اور ان کی زبان کا ذکر ضرور کیا ہے۔ ایران کے عظیم مفکر و فلسفی، تصوف میں ہمہ اوست کے سرگرم اور پرجوش پرچارک، مدبر اور عظیم فارسی شاعر مولانا جلال الدین رومی (وفات ۶۷۲ھ / ۱۲۷۳ء) نے بھی اپنی عالمی شہرت یافتہ "مثنوی" میں زبانوں اور قبیلوں کو اللہ تبارک کی نشانیوں کے طور پر لیتے ہوئے سندھی کا ذکر کیا اور فرمایا کہ :

سندیاں را اصطلاح سند مدح

ہندیاں را اصطلاح ہند مدح

جس کا لفظی ترجمہ کچھ بھی بنتا ہو، لیکن ظاہری مفہوم کے مطابق یہ معلوم ہوتا ہے کہ "اہل سندھ کو اپنی زبان مبارک ہو۔" مذکورہ مثنوی کو عالمی شہرت یافتہ اور پاکستانی صوفیاء کی سب سے بڑی مداح جرمن سکالر اینی میری شمل نے اپنی انگریزی تصنیف سندھی ادب (Sindhi Literature) مطبوعہ ۱۹۷۴ء (جرمنی) کا نقطہ آغاز بنایا ہے۔(۱۵) مولانا رومی کا زمانہ سندھ میں سومرا حاکموں کا دور تھا۔

سومرا چونکہ خود بھی سندھی تھے اس لیے دیگر ملکی خوشحالی کی کوششیں کرنے کے ساتھ

---

(۱۴) الانا، لاڑجی ادبی ائیں ثقافتی تاریخ، سندھالوجی ۱۹۷۸ء ص ۱۹۵۔

(15) Schimmel, Dr.Annamari, *Sindhi Literature*, Bonn, Germany 1974

ساتھ سندھی زبان کی ترقی اور سندھی ادب کے فروغ کے لیے بھی بھرپور اور مربوط کوششیں کی گئیں۔ اگھم کوٹ میں سومرا حاکموں نے جو بلند پایہ درسگاہ قائم کی اس میں سندھی بھی پڑھائی جاتی تھی۔ ازاں سوائے تعلیم عام کرنے کی خاطر حکمرانوں نے تمام مکاتیب فکر کو اپنے اپنے علمی مراکز قائم کرنے کی جو اجازت دے رکھی تھی، اس کے تحت بھی ہر طبقے کے علماء نے خود کو مقبول بنانے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوششیں شروع کردیں۔ اس میں سندھی زبان کی ترقی کے لیے صحت مند رجحان پیدا ہوا۔ یہی وہ ایام تھے جب ایک طرف اسماعیلی مبلغین نے لوھانکا خط کو ترقی دے کر ''چالیھ اکھری''، ''میمنکی'' اور ''خواجکی'' خط میں گنان لکھے اور انھیں تبلیغی مقاصد کے لیے استعمال کیا، تو دوسری طرف جیلانی (قادری) پیروں کو سندھ میں کھلے عام یا مراکز کے ذریعے تبلیغ کرنے کی سہولتیں حاصل ہوئیں۔ جنھوں نے سندھی میں ارکان دین، فقہ، حدیث اور شرعی مسائل سمجھانے کو ترجیح دینے کی خاطر عربی الف ب کی بنیاد پر سندھی رسم الخط تیار کیا۔

بعد میں سہروردی، چشتی اور نقشبندی مسالک کے بزرگوں نے بھی اس رواج کی پیروی کی جس سے، سندھ میں دینی یا دنیاوی علوم کے حصول کی سرگرمی شوق کی حد تک بڑھ گئی۔ ان دنوں صرف ٹھٹہ شہر میں تین سو قابل ذکر بڑی بڑی درسگاہیں موجود تھیں۔ (۱۶)

سومرا دور ۱۳۵۰ء میں اس وقت ختم ہوا جس وقت ایک اور سندھی خاندان سمہ صاحب اقتدار بنا۔ تعلیم کے بغیر ملی ترقی ناممکن گردانتے ہوئے ان حکمرانوں نے بھی ملکی خوشحالی کے منصوبے تیار کرنے کے ساتھ ساتھ تعلیم عام کرنے کی پالیسی کو بھی جاری رکھا۔ چنانچہ اس زمانے کے کئی علماء نے اپنے مسلک کو مؤثر انداز میں آگے بڑھانے اور عوام میں مقبول بنانے کی غرض سے جو نمایاں سرگرمی دکھائی اس میں یہ کوشش بھی شامل تھی کہ سندھی الف ب تیار کی جائے اور اسے استعمال

---

(۱۶) الانا، ڈاکٹر غلام علی، لاڑ جی ادبی ئیں ثقافتی تاریخ-ایضاً ص ۲۷۔

کرتے ہوئے اپنا اپنا نقطۂ نظر تحریری صورت میں عوام تک پہنچایا جائے۔ لہٰذا ملتان کے غوثی اور بابا فرید (پاکپتن) کی درگاہوں پر ذکر و فکر اور سماع کے طریقے عام ہوئے۔ یہ سب سندھی میں ہونے کے باعث زیادہ دیرپا اور مؤثر ثابت ہوئے۔ ان ہی کی کوششوں کی وجہ سے کئی سندھی شعراء کا صوفیانہ کلام تحریری صورت میں ہر جگہ گایا جاتا ہے۔ (۱۷) اور تصوفانہ تصانیف سندھی میں ہونے کی وجہ سے شوق سے پڑھی جانے لگیں۔

جو علماء بنیادی طور پر فارسی کے ماہر تھے، انہوں نے فارسی ابجد کی بنیاد پر ''سندھی'' تیار کی، اور جنہوں نے عربی کے ذریعے علمی مہارت حاصل کی تھی، انہوں نے عربی الف ب کی بنیاد پر 'سندھی' لکھنا شروع کی۔ اس سے پہلے اور عربی دور کے آخری ایام میں بھی سندھی لکھنے کے لیے ایسی ہی اہم کوششیں کی گئی تھیں۔ یہ تمام کوششوں کا ہی نتیجہ تھا کہ جب ابن ندیم سندھ آئے تو اس وقت یہاں سو سے زائد الف ب رائج تھے اور سب میں سندھی لکھی جا رہی تھی۔ (۱۸)

بعد میں ارغونوں نے جب سندھ پر حملہ کیا اور سندھ کے حکمران بن بیٹھے تو اپنے فارسی خواندہ حمایتی علماء کو بھی ساتھ لائے اور انہیں سرکاری سرپرستی میں فارسی علوم کے ذریعے دینی تعلیم کا کام سونپا۔ جس کے لیے انھیں بھاری رعایتیں دی گئیں۔ ان رعایتوں اور سہولتوں کے باوجود خود ان نئے قائم شدہ مدرسوں اور علمی مراکز کو فارسی اور عربی کے ساتھ سندھی زبان کو بھی ذریعہ تعلیم بنانے کے بعد کامیابی نصیب ہوئی۔

ارغونوں اور ترخانوں کے دور حکومت کا اختتام سندھ میں کھوڑا حکمرانوں کے اقتدار میں آنے سے ہوا۔ کھوڑا اہل سندھ کی مسلسل اور مربوط جدوجہد کے نتیجے میں حاکم بنے تھے، اس لیے

---

(۱۷) بلوچ، ڈاکٹر نبی بخش، سندھی بولی ئیں ادب جی مختصر تاریخ ایضاً ص ۱۲۱

(۱۸) ابن ندیم، الفہرست (اردو ترجمہ) ہندوستان عربوں کی نظر میں، اعظم گڑھ ۱۹۶۲ء۔

انھوں نے بھی علمی فروغ اور ملکی خوشحالی کے لیے تعلیم عام کرنے کی طرف خصوصی توجہ دی۔ کئی حکمران خود بھی سندھی زبان کے شاعر، عالم اور ادیب تھے جنھوں نے تدریسی، تعلیمی اور تبلیغی مقاصد کے لیے معیاری سندھی رسم الخط کی کوششوں میں دلچسپی لی۔

ان دنوں ٹھٹہ اور روہڑی کی درسگاہوں کو اس ضمن میں اس قدر شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی کہ دونوں ادارے ''سندھ کی یونیورسٹیاں'' بن گئیں۔ (۱۹) ابوالحسن جی سندھی ان ہی ایام میں نہ صرف تیار ہوئی، بلکہ سندھی کے معیاری رسم الخط کے طور پر مشہور و مقبول بھی ہوئی۔ (۲۰)

ان ایام میں ابوالحسن ٹھٹوی کے علاوہ مخدوم ضیاء الدین، مخدوم محمد ہاشم، مولوی عبدالخالق، مولوی محمد حسن اور مخدوم عبداللہ نرئے والے کی طرح کے اعلیٰ مرتبت اور عالمی شہرت یافتہ علماء اور معلم موجود تھے، جنھوں نے اپنی زندگی کا اہم حصہ تعلیم، تدریس، تصنیف، تبلیغ اور تالیف میں صرف کیا۔ مخدوم عبداللہ کے مقام اور حیثیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے معتقدین میں ''کچھ'' کے راجا بھی شامل تھے۔ (۲۱)

کلھوڑا دور حکومت میں مولانا سراج الدین لانگاہ (جن کا تعلق نوشہرو فیروز (سندھ) سے تھا) نے سندھی نثر میں ''جنت الفردوس'' نامی کتاب تخلیق کی جسے مدرسوں کے نصاب کے طور پر پڑھایا جاتا تھا۔ (۲۲) مخدوم عبدالرحیم گرھوڑی بھی اسی عہد کے ہیں جنھوں نے ''ست گفتا، حکمت بھریا نکتا'' کے عنوان سے ایک نثری کتاب لکھی اور یہ کتاب بھی مدرسوں کے نصاب کا حصہ

---

(۱۹) لغاری، عبدالکریم، سندھی الف ب جی ارتقاء، سندھالوجی ۱۹۷۲ء ص ۳۴۔

(۲۰) سندھی صور تخطی، ایضاً ۱۹۶۹ء ص ۶۰۔

(۲۱) قاسمی، مولانا غلام مصطفیٰ، کنزالعبرت، سوانحنامہ مدنی، کراچی ۱۹۶۱ء

(۲۲) ملکانی، پروفیسر منگھارام، سندھی نثر جی تاریخ، زیب ادبی مرکز، حیدرآباد ۱۹۷۷ء

تھی۔ (۲۳) نیز سندھی نثر کے قدیم ثبوت ''فقہی فتاویٰ بیاض'' میں بھی موجود ہیں جنھیں دیکھ دیکھ کر وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ کلھوڑا عہد میں سندھی رسم الخط نے اس قدر ترقی کرلی تھی کہ زندگی کے ہر شعبے سے متعلق تصانیف نظم یا نثر میں لکھی جارہی تھیں۔

کلھوڑوں کے بعد سندھ کا تخت تالپور میروں کے ہاتھ آیا تو اس وقت تک سندھی رسم الخط کافی ترقی کر چکا تھا۔ اس کا فائدہ لیتے ہوئے سندھ کے اہل علم نے نت نئے موضوعات پر لکھنا شروع کیا۔ آخوند عزیز اللہ نے کلام پاک کا تحت الفاظ ترجمہ کیا۔ (۲۴) اس حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ اب سندھی میں نثر نویسی کے لیے جملہ خصوصیات موجود تھیں اور اب تک برصغیر کے کسی بھی عالم کی مقامی زبان اس مرتبے کی حامل نہیں تھی کہ اس میں اتنا عظیم علمی منصوبہ مکمل کیا جاسکتا ہو۔

سندھ میں تالپور حکمرانوں نے سندھ کی باگ دوڑ انگریزوں نے آکر ۱۸۴۳ء میں چھینی۔ اس وقت سندھی زبان کو لکھنے کے لیے عربی کے خط نسخ میں رد و بدل کے ساتھ جو ''مخدوم ابوالحسن جی سندھی'' کے نام سے رسم الخط درج تھا، وہ زیادہ مقبول و مشہور تھا۔ بنسبت اس طرز تحریر کے، جس کی بنیاد فارسی الف ب پر رکھی گئی تھی اور جسے نستعلیق کہا جاتا ہے، ان دونوں دو طرح سے مذکورہ الف ب میں لکھنے کے علاوہ درج ذیل رسم الخط بھی سندھی لکھنے کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ (1) دیوناگری، گرمکھی (جس میں پنجابی بھی لکھی جارہی تھی)۔ (2) لنڈا خط (جو کہ آج بھی سندھ اور سرائیکی بولنے والے بعض علاقوں میں زندہ نظر آئے گا اور جسے ان ایام میں خفیہ تجارتی تحریر کے لیے استعمال کیا جاتا تھا) (3) خدا آبادی (4) شکارپوری (5) ساکھرو (جسے سکھر اور گردونواح میں استعمال کیا جاتا تھا) (6) ٹھٹائی (یہ، محض ٹھٹہ اور اس کے آس پاس میں رائج تھا) (7) لاڑائی (یہ خط زیریں سندھ میں رائج تھا

(۲۳) ایضاً، پیش لفظ قاسمی

(۲۴) سندھی، میمن عبدالمجید، سندھی ادب جو تاریخی جائزو، سکھر سندھ، عجائب اسٹورز ۱۹۷۶ء

جس کا مرکز حیدر آباد ہوتا تھا)(8) دنگائی (یہ خط بدین اور اس کے نواحی علاقوں میں مستعمل تھا)(9) راجائی،(10) خواجکو یا میمنکو،(11) لوھانکو(12) سیوہانی(13) بھابڑ کو وغیرہ۔

تاہم جب انگریز سندھ پر قابض ہوئے تو ابوالحسن جی سندھی، سندھ کے وسیع علاقے میں ہر طرح کے کاروبار زندگی کے لیے رائج تھی، جس میں کوئی مذہبی تفریق نہیں تھی۔ ہندو بھی اپنے بچوں کو سندھی میں تعلیم دلانے کے لیے کسی نامور عالم کے مدرسے میں داخل کراتے تھے اور شہرت ومقبولیت کے حامل مدرسے مذکورہ "سندھی" کے ذریعے تعلیم دینے میں مصروف تھے۔ البتہ کاروباری اور تجاری طبقہ (جس میں ہندو زیادہ تھے) بچوں کو دکانوں اور گھروں میں مخصوص طرز تحریر سکھاتا تھا جسے اب بھی لنڈا خط کہا جاتا ہے۔(۲۵)

چنانچہ بمبئی کے گورنر سر جارج کلرک (Sir George Clerk) نے جب ۲۴ اپریل ۱۸۴۸ء میں سندھی زبان کو ملک کی سرکاری، تعلیمی اور کاروباری زبان کے طور پر رائج کرنے کا ایک واضح نوٹ تحریر کیا تو بامبے (Bombay) سرکار (سندھ کو جس کا انتظامی حصہ بنایا گیا تھا) نے اپنے سرکلر نمبر ۱۸۲۵ء مؤرخہ ۶ ستمبر ۱۸۵۱ء میں تمام اہلکاروں کو ہدایات جاری کیں کہ "سندھی زبان کا تحریری امتحان پاس کیا جائے۔"(۲۶)

مذکورہ ہدایات ملنے کے بعد حکمرانوں کی سندھی کے متعلق دو آراء ہو گئیں :(1) سندھ کے اہل علم صدیوں سے عربی رسم الخط کی بنیاد پر ترتیب دی گئی الف ب میں سندھی ادب تخلیق کرتے آئے ہیں۔(2) تمام تعلیم یافتہ سندھی مسلمان نہ صرف مذکورہ رسم الخط پڑھتے ہیں بلکہ روانی سے لکھتے

---

(25) Aikin, *G.H.Gazetteer of the Province of Sindh*, Karachi, 1907. Chapter XII, p-472.

(26) Idid.

بھی رہے ہیں اور اگر ہندوؤں کے زیر استعمال رہنے والے خدا آبادی خط کو لازمی قرار دیا گیا تو اس میں واولز (Wovels) / حروف علت کی کثرت کی وجہ سے مسلمان طبقہ ان پڑھ تصور ہوگا اور اس کے لیے بڑی مشکلات پیدا ہوں گی۔ (۲۷)(3) دوسری طرف وہ ہندو عامل جو فارسی یا عربی الف ب کی بنیاد پر مرتب شدہ رسم الخط سے آشنا نہیں ہیں وہ عربی کی طرز کا لکھا، پڑھ نہیں سکیں گے اور پڑھے لکھے ہونے کے باوجود، غیر تعلیم یافتہ بن جانے پر ان کی پریشانی بڑھ جائے گی۔

غرضیکہ ایک طبقہ مسلمانوں کے رائج کردہ عربی کی بنیاد پر تیار رسم الخط کے حق میں تھا جبکہ سرکاری اہلکاروں کا دوسرا طبقہ ہندو عاملوں کے زیر استعمال خدا آبادی رسم الخط کو رائج کرنے پر مصر تھا۔ دلیل یہ تھی کہ، خدا آبادی رسم الخط خالصتاً اور اصلاً سندھی ہے اور اسے رواج دینا چاہیے۔ کیپٹن جارج سٹیک (Capt. George Stake)، نے بعد میں خود بھی خط نسخ میں سندھی، انگریزی ڈکشنری مرتب کی، پرنگل (R.K. Pringle) اور لارڈ فاکلینڈ (Falkland) وغیرہ بھی آخر الذکر رائے کے حق میں تھے۔ (۲۸)

اختلافات دور کرنے کے لیے آٹھ رکنی کمیٹی تشکیل دی گئی جس میں مسلمان اور ہندو ممبروں کی تعداد یکساں تھی اور حمایت میں بھی وہی دونوں انگریز افسر، مسٹر رچرڈ برٹن (Richard Burton) اور مسٹر جارج سٹیک (George Stake) تھے۔ جن میں سے برٹن سندھی کو نسخ میں لکھنے کے حامی تھے جبکہ مسٹر سٹیک کی طرف سے دیوناگری میں سندھی لکھنے کے لیے زوردار تائید ہو رہی تھی۔ اس کمیٹی کے صدر وہی مسٹر ایلس (Ellis) تھے، جنھوں نے ۱۸۵۳ء میں مسٹر بارٹل فریئر

(27) *Report on education in Sindh,* 29 th Dec. 1854.

(28) Burton, Richard. *Memorandum on the Population if Sindh,* Survey Doptt. Kurrachee, 29 Dec. 1854.

(کمشنر سندھ) کو رپورٹ بھیجی تھی جس میں خط نسخ کو رائج کرنے کی سفارش کی گئی تھی۔ (۲۹)

مسٹر ایلس نے مزید یہ بھی لکھا تھا کہ سندھی زبان لکھنے کے لیے "مخدوم ابوالحسن جی سندھی" زیادہ مقبول و معروف ہونے کے باعث اسے ہی "سندھی صورت خطی" کے لیے منظور کیا جائے۔ (۳۰)

یہ ۱۸۵۳ء کا زمانہ تھا جب مخدوم ابوالحسن (۱۶۶۱ء تا ۱۷۰۰ء) جی سندھی کو از سر نو سندھی لکھنے کے لیے منظور کیا گیا۔ ورنہ اسی سندھی عربی رسم الخط میں سندھی لکھنے کا رواج تو ۸۶۴ء میں عام ہو چکا تھا۔ تاہم اب سندھی کو معیاری عبارت دینے کے لیے فیصلہ ہونا باقی تھا، تاکہ عربی الفاظ، فارسی لغات اور بعض سندھی الفاظ کو ایک ہی طرح کی املا سے لکھا جائے۔ چنانچہ ۱۸۸۸ء میں سندھ کے ایجوکیشن انسپکٹر مسٹر ایچ پی جیکب نے ایسے الفاظ چارٹ تیار کرائے جنھیں ہر شخص اپنے تلفظ و انداز ادائیگی کے مطابق لکھتا تھا۔ لیکن بعد ازاں ان الفاظ کو معیاری (Standerdized) املا میں لکھنے کا رواج بڑھتا گیا۔

باوجود اتنی کوششوں کے اب بھی بعض الفاظ معیاری طور پر نہیں لکھے جا رہے تھے، جنھیں ۱۹۱۵ء میں سندھ کے ایجوکیشن انسپکٹر دیوان جگن ناتھ اور مرزا قلیچ بیگ نے مل کر معیاری صورتخطی میں ڈھالا۔ تب جا کر سندھی لکھنے کے لیے پورے سندھ میں ایک ہی طرح کا معیاری خط و املا مروج ہوا۔

اس وقت سندھی لکھنے کے لیے جو باون حروفی الف ب موجود ہے اس کے حروف کی ترتیب درج ذیل ہے:

---

29. Ibid.

30. Khuhro, Dr. Hamida, *Making of Modern Sindh*, Karachi 1978.

1. سندھی آوازوں سے مطابقت رکھنے والے عربی کے ۳۰ حروف (انھیں سنہرے حروف کی پٹی بھی کہا جاتا ہے) پ، چ اور گ کی تین آوازیں تو سندھی میں پہلے سے موجود تھیں، لیکن ان آوازوں کو فارسی ابجد میں موجود حروف کی مدد سے ادا کرنے کا رواج کافی پرانا تھا۔ لہٰذا یہ پ، چ اور گ ہو بہو اشکال کے ساتھ اسی طرح فارسی ابجد سے لیے گئے۔ باقی سات خالص سندھی آوازوں کی نمائندگی کرنے کے لیے، عربی الف ب کی بنیاد پر نئے حروف بنائے گئے اور اس طرح ۵۲ حروف کی پٹی تیار ہوئی۔

دور حاضر میں جو سندھی الف ب کے ۵۲ حروف ہیں ان میں ۳۳ بالکل مشترک ہیں۔ ۳۰ تو عربی الف ب والے ہیں، جبکہ باقی تین پ، چ، گ ہیں جن سے تمام سرائیکی، پنجابی یا اردو خواندہ بخوبی واقف ہیں۔ البتہ ۱۲ حروف تلفظ کی حد تک سندھی، اردو، پنجابی اور سرائیکی میں مشترک ہیں لیکن لکھنے میں ان کی اشکال مختلف ہیں۔ مثلاً:

اردو پنجابی سرائیکی	سندھی
بھ	ٻ
تھ	ٿ
ٹ	ٽ
ٹھ	ٺ
پھ	ڦ
چھ	ڇ
کھ	ڪ
ک	ک

دھ	ڏ
ڈ	ڊ
ڈھ	ڍ
ڑ	ڙ

غرضیکہ ۴۵ حروف ہر اردو جاننے والا نہ صرف بولنے میں استعمال کرتا ہے بلکہ لکھنے میں بھی انھیں ذہن میں رکھتا ہے۔ اردو کی نسبت خالص سندھی سات آوازیں زائد، نئے اور تلفظ میں مشکل ہیں ان میں سے ایک پشتو، پنجابی اور سرائیکی میں بولی اور لکھی جاتی ہے۔ یہ حرف پشتو میں ب، پنجابی میں ن، سرائیکی میں ن، سندھی میں ڻ لکھا جاتا ہے۔ لہٰذا باون حروفی پٹی درج ذیل حروف سے بنائی گئی ہے :

ا ب ٻ ت ٿ ٽ ٺ ث پ ڦ ق ف ج ڄ جھ ڃ چ ڇ ح خ د ڌ ڏ ڊ ڍ ذ ر

ڙ ز س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ڪ ک ڳ گھ ڱ ل م ن ڻ و ھ ء ي

مذکورہ خالص سات سندھی آوازوں کی صورتیں درج ذیل ہیں ٻ ڻ ڏ ڄ ڱ ڳ یہ ایسی آوازیں ہیں جنھیں سندھی آوازوں سے آشنائی نہ رکھنے والے شخص کو درست ادائیگی لے لیے بڑی مشق کرنی پڑتی ہے۔

سندھی زبان کے اس کثرتی صوتیات کے نمائندہ رسم الخط کا اہم فائدہ یہ ہے کہ اس میں دنیا کی بیشتر زبانوں کے الفاظ، فقرے اور جملے ان کی اپنی آوازوں کے مطابق لکھے جاسکتے ہیں اور پڑھنے میں وہی زبان معلوم ہوتے ہیں۔

دوسرا بڑا فائدہ یہ ہے کہ ہر سندھی خواندہ شخص اردو، پشتو، پنجابی، سرائیکی، براہوی، بلوچی، عربی اور فارسی آسانی سے پڑھ سکتا ہے، کیونکہ مذکورہ زبانوں کے تمام حروف تہجی اور آوازیں سندھی میں سموئے جاچکے ہیں۔

سندھی ادب کا مختصر جائزہ

شعری اصناف، اپنے تاریخی تناظر میں

خطۂ سندھ اپنے قدیم ترین زمانے سے منفرد اور مایہ دار ثقافتی ورثے کا مالک رہا ہے۔ اس کے مختلف مقامات کی کھدائیوں سے جو قدیم آثار دریافت ہوئے ہیں انھیں عراق کے سمیری، شام کے بابلی اور وادیٔ نیل کے مصری تمدن کا ہمعصر تسلیم کیا گیا ہے۔ بعض محقق تو یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ ''بابلی اور سمیری تہذیبوں کی بنیاد وادیٔ سندھ سے ترک وطن کر کے وادیٔ فرات میں جا کر آباد ہونے والے لوگوں نے رکھی، جس کی وجہ سے سمیریوں نے انھیں ''ادنس'' (Oins) یعنی مشرق سے آنے والے کہا۔ یہی لوگ اپنے ہمراہ ''ہل'' (Plough) اور ''پہیہ'' (Wheel) چلانے کا فن بھی لے گئے۔''(۱)

موھن جو دڑو کے کھنڈرات سے ''ھل اور پہیہ'' کی دستیابی، اس بات کا ثبوت ہے کہ اہل سندھ دونوں چیزوں کو استعمال کرنے میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔

ازاں سوائے یہاں کے قدیم آثار سے جو مہریں ملی ہیں وہ بھی بڑی اہمیت کی حامل ہیں جن پر مصر کے ہیرو غلیفی خط کی طرح ایک منفرد عبارت موجود ہے جو حروف اور تصاویر پر مشتمل ہے۔(۲)

اس خط کے بارے میں یورپی، مغربی اور مشرقی ماہرین و محققین نے اگرچہ نتائج الگ الگ اخذ کیے ہیں، لیکن تمام نتائج کا محور نکتہ یہ ہے کہ ''سندھو تہذیب کو پروان چڑھانے والی قوم ایک علامتی فت تحریر سے بھی واقف تھی۔''(۳)

اہل سندھ کی وسیع پیمانے پر فن تحریر سے وابستگی سے اگرچہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ، عہد

قدیم میں علمی و تعلیمی معلومات سے بخوبی واقف تھے، تاہم مؤرخین و محققین کو تلاش بسیار کے بھی ایسا ٹھوس مواد میسر نہیں آیا جس کی بنا پر یہ دعویٰ کیا جا سکے کہ اہل سندھ تعلیمی و تدریسی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ علمی و ادبی کوششوں میں بھی پیش پیش تھے۔

تاریخ سندھ میں دوسرا سب سے طویل دور آریاؤں کی سندھ میں آمد سے وابستہ ہے۔ اس دور میں جو باقاعدہ کتابیں ملی ہیں انھیں موضوعات کے اعتبار سے درج ذیل حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

1. رگ وید، اتھر وید، یجر وید، سام وید، برہم گرنتھ اور اپشند جیسی کتب پر مشتمل ہے۔
2. مہا بھارت، رامائن، منوشاستر اور بھگوت گیتا جیسی مافوق الفطرت یا دیومالائی کہانیوں کا مواد شامل ہے۔

مذکورہ دونوں طرح کی کتابوں میں سندھو تہذیب کے بالواسطہ یا بلاواسطہ ذکر کے ساتھ یہاں کے باشندوں، ان کے مزاج، طبعی حالات، رہن سہن، گزر اوقات، لڑنے کے ڈھنگ اور اوزاروں کے نام، رہائش کے طور طریقے اور بول چال تک کافی تفصیل سے باتیں تو بیان کی گئی ہیں پر یہاں کے علم و ادب کے بارے میں کوئی مفصل بیان نظر نہیں آتا، جس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ سندھ کی تفصیلی تاریخ، سندھ میں عرب دور حکومت تک شکست و ریخت کا شکار رہی ہے۔

اگرچہ عربی دور سندھ میں ۱۲-۷۱۱ء سے شروع ہو کر سن گیارہویں صدی عیسوی میں آکر اختتام کو پہنچتا ہے، لیکن مذکورہ دور کے بارے میں اکثر تفصیل بھی عرب مصنفین، مؤرخین اور جغرافیہ دانوں یا سیاحوں کی توسط سے دیگر زبانوں تک پہنچی۔ اگر ان اہل علم کی قلمی کاوشیں موجود نہ ہوتیں تو نہ عربوں کے بارے میں معلومات ملتی اور نہ ان اہل علم و دانش کا بھرپور ذکر تاریخوں تک پہنچتا جن کا تعلق تو سندھ اور سندھی بولنے والے خاندانوں سے تھا، لیکن عربی پر عبور رکھنے کے باعث جو بھی جوہر

پارے تخلیق کیے وہ عربی میں تھے۔

نیز ان کی کتابوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پہلی صدی ہری میں ہی، سندھ نے اسلامی دنیا کو ایسے عظیم علماء، متشرح اور مفسرین دیے، جنھوں نے عالم اسلام کے افق پر روشن علمی ستاروں سے اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کا اعتراف کرالیا تھا۔ ایسے سندھی علماء میں امام مکحون بن عبداللہ سر فہرست ہیں، جنھیں عربی کی مستند اور مصدق تصانیف میں "امام السند و شام" کے لقب سے یاد کیا جاتا رہے۔(۴) آپ کی علمی فضیلت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ امام اوزاعی (فقہی شعبے میں مسلک اوزاعی کے بانی) کے استاد رہے۔

امام اوزاعی فقہ کے شعبے میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ آپ کا بہت اعلیٰ مقام ہے۔ آپ کی ولادت ۸۸ھ میں ہوئی۔ علم حدیث میں تو آپ کا رتبہ اتنا بلند تھا کہ آپ کا شمار "احادیث کے ائمہ میں ہوتا ہے اور فقہ میں اوزاعی فکر کے بانی تھے۔" آپ کو یہ علمی اعزاز بھی حاصل تھا کہ شریعت میں منفرد و معتبر مقام پر فائز ایک ہستی، امام مالک آپ کے استاد رہے۔(۵)

"عبدالرحمٰن سندھی" کا شمار بھی عالم اسلام کی ان بلند ہستیوں میں ہوتا ہے، جن کا تعلق تابعین سے ہے۔ آپ کا علمی مرتبہ یہ تھا کہ حدیث اور فقہ میں بہت بلند مقام رکھنے والے "امام بخاری" نے بھی عبدالرحمٰن سندھی کو عقیدت پیش کی اور اپنی تصانیف میں کئی مرتبہ آپ کا احترام کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ آپ نے مدینہ منورہ میں عین حرم شریف کے بالمقابل، دینی درسگاہ قائم کی جہاں حدیث، فقہ اور مغازی کے شعبوں میں اعلیٰ تعلیم دی جاتی تھی۔ آپ کے طلباء میں اکثریت عربوں کی ہوتی تھی۔ آپ کے جو طلباء متشرح و مفسر بنے اور دینی علوم کے سواء تاریخ اور تذکرہ نویسی میں شہرت و نیک نامی کمائی ان میں امام ابو عیسیٰ ترمذی اور تاریخ طبری کے مصنف طبری بھی شامل ہیں۔ آپ کے فرزند "محمد سندھی" کو بھی آپ سے نسبت ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اسلام علوم اور خاص طور پر

حدیث کی ہمہ رخ اور جامع تشریح و علم مغازی میں مہارت رکھنے کے باعث لازوال شہرت نصیب ہوئی ہے۔

علوم اسلامی میں ابو علی سندھی کا نام بھی بلند پایہ ہستیوں میں شامل ہے۔ آپ کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ فلک تصوف کے درخشندہ ستارے بایزید بسطامی بھی آپ کے طالب علم رہے۔(۶)

اسی طرح رجا السندی کا بھی اسی عہد سے تعلق تھا، جنہیں ممتاز مؤرخ و شاعر اور دینی علوم کے عظیم پیشوا ابو بکر بن خلف نے اپنی تصانیف میں اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک، فصیح و بلیغ اور خوش بیاں مقرر کیا ہے۔ ابو عطا سندھی (وفات ۱۳۲ھ) بھی راجا السندی کے عہد کے تھے۔ آپ وہ علمی ہستی تھے، جن کا نام سنتے ہی عربی ادب کی دبستان میں پھول کھل اٹھتے ہیں۔(۷)

سندھ میں یہی عرب دور حکومت تھا جس میں کلام پاک کا سندھی ترجمہ کیا گیا۔ اس سے سندھی زبان کی ہمہ جہت ترقی یافتہ صورت کا ثبوت ملتا ہے۔ مانک سندھی بھی عرب دور کے تھے، جن کا ابن ابی اصیبعہ نے عراق کے حاکم ہارون الرشید کے ساتھ ذکر کیا ہے۔(۸) مانک سندھی بہت بڑے فیلسوف، دانا، مختلف علوم و فنون کے ماہر اور لائق فائق طبیب تھے اور عراق کے حاکم کا علاج کرنے کے لیے سندھ سے بلوائے گئے تھے۔ شاناق سندھی کی، موسمیات کے متعلق مشہور سندھی کتاب کا انھوں نے ہی فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ انھیں عربی پر بھی بڑا عبور حاصل تھا، جس کا مظاہرہ انھوں نے سلیمان بن علی ہاشمی سے مل کر کئی سندھی اور ہندی کتابوں کے عربی تراجم کرتے ہوئے کیا ہے۔(۹) ایسے ہی ایک ممتاز طبیب چرک سندھی کا ذکر بھی ملتا ہے جن کا عرب دور سے تعلق تھا، جن کی طب کی کتاب کو فارسی میں اور بعد ازاں عبدال بن علی فارسی نے عربی میں منتقل کیا۔

"مجمل التواریخ اور روضۃ العقلاء و نزہۃ الفضلاء" یہ دونوں کتابیں بھی اسی عربی عہد میں لکھی گئیں۔ ابو حاتم محمد بن حبان البستی، مذکورہ روضۃ العقلاء نامی کتاب کے مصنف ہیں۔ انھوں نے اموی

دور میں ایک سندھی شاعر رجل سندھی کا ذکر کیا ہے، جس نے اپنے ترجمان کے ہمراہ بغداد میں یحییٰ بن خالد برمکی کے دور میں درج ذیل سندھی شعر پڑھا: (اس بات کی مجمل التواریخ القصص نے بھی تصدیق کی ہے)۔

ارھ برھ کنکرھ، کرا (کرو) کرے مندرھ

تاریخ اس شعر کا مفہوم یہ بتاتی ہے کہ: "اے حاکم! جب ہمارے وطن میں کسی نیک انسان کا ذکر ہوتا ہے، تو آپ ہی کا نام لیا جاتا ہے۔" (۱۰) تاہم اس شعر کی عبارت اس قابل نہیں کہ، اس سے دور حاضر کا کوئی عالم مفصل احوال اخذ کر سکے۔ جس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ، یہ شعر نقل در نقل، عبارت در عبارت اور کتابت در کتابت ہوتے جب دور حاضر تک پہنچا ہے تو اس کا حلیہ بالکل ہی بگڑ اور بدل گیا ہے۔

اس ضمن میں وضاحت کسی بیرونی تخلیق کے حوالے سے پیش کرنے کی بجائے پنجابی کے ممتاز کلاسیکل شاعر فرید گنج شکر (پاک پتن والے پ ۱۱۸۸ء، وفات ۱۲۸۰ء) کا درج ذیل دوہڑہ جو امیر خورد نے اپنی کتاب "سیر الاولیاء" (تصنیف ۱۳۵۶ء) میں شامل کیا تھا، اس کی شکل و صورت بگڑ کر درج ذیل بن گئی ہے اور اس کا مطلب و مفہوم اب شاید ہی کوئی بتا سکے۔

کنت نہو پتیں کاردی ناکاں ہت مناں
بس کندلے مدھن گرھویں لہ کہاں (۱۱)

اگر بارہویں صدی عیسوی کے اس دوھڑے کی کتابت در کتابت کرتے ہوئے خود اپنے کتابوں نے حلیہ یہ بنا دیا ہے، تو سندھی کا مذکورہ شعر تو ۱۸۷ھ مطابق آٹھویں صدی عیسوی سے بھی پہلے کا ہے اور اس کی کتابت بھی ان عرب کاتبوں نے کی، جن کے آباؤ اجداد نے بھی شاید ہی دو سندھیوں کو سندھی بولتے سنا ہوگا۔

تاہم مذکرہ حوالے سے یہ بات طے ہے کہ یہ بھی ایسا ہی ایک شعر ہے جس طرح سندھی شاعری میں "بیت" کے اشعار ہوتے ہیں۔ للذا یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ ان ایام میں سندھی بیت کی باقاعدہ صورت گری ہو چکی تھی اور اس میں شعراء اپنا مدعا اور مقصد بآسانی سمو سکتے تھے۔

مذکورہ حوالے سے اس بات کی بھی تصدیق ہو جاتی ہے کہ عرب، دور حکومت میں سندھی اور عربی دونوں زبانیں علمی، تعلیمی، تبلیغی اور تدریسی سرگرمیوں کی سطح تک، ہمرکاب رہیں، لیکن سندھی، ایک طرف کلام مجید کا ترجمہ کرنے اور دیگر اسلامی علوم کی عربی کو اپنی ادائیگی میں ڈھالنے کے قابل ہو چکی تھی، تو دوسری طرف اس کی اپنی تخلیقی صلاحیتیں بھی تھیں جس کا ثبوت درج ذیل حوالے سے ملتا ہے۔

آٹھویں صدی عیسوی میں سوراشٹر (☆) کے دربار کا تذکرہ نویس و سیاح، اچاریہ، ادیوتن، سندھ کی سیاحت، سندھی زبان کی صلاحیت اور سندھ کی ثقافت کا جائزہ لینے کے لیے، سندھ آیا۔ واپس وطن جا کر اس نے "کولیہ مالھا کہا" کے نام سے کتاب لکھی، اس میں بتایا کہ "ہم نے سندھ میں ایسے سندھی شاعر دیکھے، جنھیں اپنے دیس پر بڑا ناز تھا۔ وہ بڑے شوق سے سریلے نغمے لکھتے ہیں اور اپنے ان نغموں کو نرم اور کومل سروں میں نزاکت سے گاتے ہیں۔" (۱۲)

بھارتی گجرات سے تعلق رکھنے والے "کوی راج شیکھر" کا تعلق نویں صدی عیسوی سے تھا۔ انھوں نے اپنے تذکرے میں زیریں سندھ (لاڑ) کے شعری انداز کو بہت پسند کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "اہل سندھ، سنسکرت کے نام سے ہی دور رہتی ہیں۔ ان کی اپنی خوبصورت سندھی زبان ہے، جس میں

(☆) سوراشٹر کا ذکر مؤرخین کے علاوہ فضل بن ماھان، غلام (جس نے سندان نامی سندھ کے علاقے پر حکومت قائم کر کے ماھان خاندان کا نام تاریخ تک پہنچایا) کے تزکرے کے ساتھ بھی واسطہ ہے اور اس کا آئین اکبری میں بھی ذکر ہے۔

وہ نہایت لطیف اور شیریں شاعری کرتے ہیں۔ لاڑی طرز کی شاعری، لاڑ کے شعراء کی پیاری اور امتیازی خصوصیات اور لطافت بھری ایک بڑی دلچسپ طرز ہے۔"(۱۳)

ان باتوں سے سندھی میں اعلیٰ صلاحیتوں کی موجودگی اور اس کی بہترین تخلیقی قوت کے شواہد تو ملتے ہیں لیکن اس کے تب تک، ہمہ رخ تخلیقی جوہر تسلیم نہیں ہوں گے، جب تک اس کی شعری اصناف میں بے ساختگی، بے تکلفی اور تصنع سے بے نیازی کا یقین نہ ہو۔ مذکورہ خصوصیات ہمیں ۱۰۵۰ء سے بعد کی شاعری میں ملتی ہیں۔

سندھی کی درج ذیل شعری اصناف قدیم ہونے کے علاوہ بے ساختگی، بے تکلفی اور بے باک اظہار کا اعلیٰ نمونہ ہیں :

1- گاتھا : سندھی میں اسے "گاہ" کہا جاتا ہے، جبکہ سرائیکی میں اسے "گاون" کا نام دیا گیا ہے۔ سندھ میں بھاگ، بھان، بھٹ اور چارن قبائل اس صنف کو منظوم کرنے اور منظوم انداز میں گانے ہیں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ "گاہ" کو قصہ گوئی یا منظوم واقعات بیان کرتے وقت دلیر، نڈر، بے باک اور بہادر لوگ کی بہادری اور شجاعت بھری کہانیاں سناتے وقت، سنگیت کی خاص طرز میں سازوں کی مخصوص لے کے ساتھ چاشنی پیدا کرنے کے لیے گاتے ہیں۔ "گاہ" دوھے سے قطعی مختلف ہے اور یہ قدیم ترین سندھی نظم کا نمونہ ہے۔ نام کے لحاظ سے "گاہ" کو قدیم بدھ مت کے پیروکاروں کی شاعری "گاتھا" کی یادگار سمجھنا چاہیے۔ (۱۴) ماہرین نے اسے غناء، سنگیت، موسیقی اور مفہوم کی مشترکہ خوبیوں کی بناء پر پختہ اور بے ساختہ سندھی شاعری کی ابتداء تسلیم کیا ہے۔

(جاری ہے)